فکر اقبال اور تہذیبی تصادم کا عصری فرضیہ

پروفیسر ڈاکٹر محسنہ منیر

شعبہ علوم اسلامیہ

لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی, لاہور

اسلامی دنیا کے عظیم مفکر، حکیم الامت، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمہ اللہ نے تہذیب کے تاریخی تصور سے امت مسلمہ کو اس وقت روشناس کیا جب وہ اپنا اسلامی تشخص کھونے کے سفر پر چل چکے تھے۔ اقبال نے لکھا:

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے

تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا

خلافت کی کرنے لگا تو گدائی

خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے

مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی (بانگ درا)

علامہ اقبال نہ تو انسانی عروج کے مخالف ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کو معاشرتی ترقی اور بقا کی تگ و دو سے روکنا چاہتے ہیں۔ علامہ اقبال مسلمانوں کو عمل پیہم میں مشغول دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمان کا عمل پیہم اسلامی تہذیبی اسلوب معاشرتی عروج کے لیے کام کرنا ہے۔[1] اقبال کا بیانیہ تہذیب کے بارے میں امت مسلمہ کے زوال اور تہذیب حاضر کے عروج کے سفر کے آغاز کے وقت بڑا مضبوط اور واضح ہے۔ آپ نے لکھا کہ اسلام کا معاشرے کا تصور ایک منفرد اور مضبوط تہذیب کی منفرد اور مضبوط بنیاد رکھتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جدید تہذیب کی بنیاد محض کھوکھلے، مصنوعی اور سراب پر مبنی منظر نامے پر مشتمل ہے۔ جدید تہذیب کے عارضی عروج سے خوف زدہ ہو کر مسلمان کو اسلامی تہذیب سے دوری اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ اقبال کی فکر نے جدید تہذیب کے بارے میں جو آگاہی انسان کو دی تھی عصری تہذیبی فرضیہ اسی کی عکاسی کر رہا ہے۔ اس تہذیبی فرضیے کے مطابق تہذیبیں اپنے ماضی کے جھگڑوں کو فراموش نہیں کر سکیں اور انسانی عقل کے بے کراں شعور اور فکری پرواز کے باوجود آپس میں ٹکرانے اور ایک دوسرے کو پاش پاش کرنے کے لیے ہمہ وقت تیاری کرتی رہتی ہیں۔ اس خوف ناک ٹکراو سے بچنے کے لیے اور جدید فرضیے کی تباہی سے دوچار ہونے سے قبل جو کوششیں کی جارہی ہیں ان میں سے ایک ملٹی کلچرل ازم کا تصور ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے، فکر اقبال سے اس کا جائزہ لینے کے لیے یہ تحقیق پیش کی جارہی ہے۔

شاید اسی دور کے لیے اقبال نے لکھا تھا:

ہو چکا گو قوم کی شان جلالی کا ظہور

ہے مگر باقی ابھی شان جمالی کا ظہور (بانگ درا)

سولہویں صدی عیسوی میں جب یورپ نے جدید فلسفے سے آگاہی حاصل کرنا شروع کی تو اسلام کے مطالعے سے عمداً یا خطا محروم رہے۔ قران مجید اور سنت نبوی نے محکوم و حاکم، امیر و غریب اور اعلیٰ ذات اور ادنیٰ ذات کے فرق کو اخذ علم کے حوالے سے ختم کر دیا تھا لہذا یورپ کو کھلی آزادی ملی کہ ذہین دماغ اسلامی طریق تحقیق کے مطابق فطرت کے حقایق سے شعور و آگہی کا حصول کرتے رہیں۔ مگر یورپی فلسفیوں نے انسانیت کے ساتھ جو ظلم کیا وہ تھا انکار مذہب کی بنیاد پر سائنسی حقائق کے حصول کا رواج عام کرنا۔ تہذیب، تمدن، معیشت، معاشرت اور سیاست اور پھر اخلاق کو مذہبی بنیاد سے نکال کر لامذہبیت کی اساس پر نہ صرف تعمیر کیا بلکہ طاقت کے زور پر اقوام عالم سے منوانا بھی چاہا۔ سگمنڈ فرائیڈ، ولیم ہائیڈ گر، روسو، کارل مارکس وغیرہ سب کو گہرائی میں جا کر پڑھ لیں اور پھر حال ہی میں سٹیفن ھاکنگ کی زندگی اور عقلی پرواز کا جائزہ لے لیں۔ ایک حقیقت واضح ہے اور وہ یہ کہ مغرب طاقت کے بل پر صرف اس سائینسی حقیقت کا پرچار اور فروغ سامنے لانا چاہتا ہے جو انکار مذہب کی بنیاد کو مزید مضبوط کر رہی ہو۔ مجموعی طور پر تہذیب مغرب ایک اندھیری گلی میں انسانیت کو بہت آگے لے جا چکی ہے۔ جدید ترقی یافتہ عالمی افق پر حاکم ممالک کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ لامذہبیت کی بقا کی

جنگ عظیم لڑلیں۔اس خوف نے کہ تاریخ اپنے فطری، منطقی دھارے کے تحت قوموں کو عروج و زوال سے ہم کنار کرتی ہے، بیسویں صدی کے لادین ماہرین علم کو مجبور کیا کہ وہ تہذیبی تصادم کے عصری فرضیے سے محکوم قوموں کو آگاہ کردیں تاکہ لادین قوتوں کی طرف سے استعمال ہونے والے ہتھیاروں سے بہنے والے خون کا الزام لادین حکومتوں پر نہ آئے۔

عصری تہذیبی فرضیہ جو انکار خالق، انکار وحی اور انکار آخرت کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے اس کی سفاکی اور سنگینی کس قدر تباہ کن ہے اس کا تصور کرنا بھی محال ہے۔ ایس پی ہینٹنگٹن کے پیش کردہ عصری تہذیبی فرضیے کو اکثر دانش وروں نے رد کردیا مگر حکمران قومیں اب مزید واضح موقف کے ساتھ اپنی حکومت کی بقا کی جنگ جدید وسائل کے بھرپور استعمال کے ذریعے لڑ رہی ہیں۔واضح رہے کہ جدید تصادم، خون ریزی اور تباہی کی بنیاد جدید تہذیب کا وہ منطقی انجام ہے جو اس تہذیب کی بنیاد میں ڈالی گئی منفیت، نفرت اور تصادم کی نفسیات کا ہو سکتا ہے۔۱۹۳۸ میں اقبال کا انتقال ہوا۔اس وقت آپ بھرپور عملی کوشش میں تھے کہ جدید ایجادات کے زیر اثر انسانی معاشروں کے لیے اسلام کے تہذیبی تصور کو قابل فہم بنانے کے لیے تحریری کام شروع ہو جائے ۔ادھر سید مودودی پٹھان کوٹ پہنچے ادھر اقبال دنیا سے رخصت ہوگئے۔تب سے لے کر آج تک ابھی سو سال نہیں گذرے کہ جدید تہذیب قریب المرگ ہو چکی ہے اور اپنے نیم مردہ جسم کو اٹھانے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔اپنے ہی بنائے ہوئے فلسفوں کا رد کرنے میں تن دہی سے مصروف ہے۔ مسلمان جب stencepeaceful coexi کے اصول پر معاشرتی تعلق استوار کرنے میں لگے تو لادین طاقتوں نے اسے بھی برداشت کرنے سے انکار کردیا ہے۔اقبال نے کہا تھا:

فطرت افراد سے اغماض تو کرلیتی ہے

کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف[ضرب کلیم]

آٹھویں صدی ہجری تک مسلمان فرقہ پرستی کی خواب غفلت میں مغلوب ہو چکے تھے ۔ مگر وقت قریب ہے کہ تاسف سے ہاتھ ملیں گے کہ فکری اختلاف کی بنیاد پر معاشرتی تفریق کو کیوں تسلیم کیا اور ایک دوسرے سے نفرت پیدا ہونے سے قبل اس کا حل کیوں نہ کرلیا۔اٹھارویں صدی میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے جس بیماری کو اسلامی تہذیب کی تباہی کا پیش خیمہ قرار دیا تھا اقبال نے انیسویں صدی میں اس کو خیر باد کہہ کر عمل پیہم کی دعوت مسلمانوں کو دی۔ طلوع اسلام میں اقبال لکھتے ہیں:

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا

خودی کا رازداں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

ہوس نے کردیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو

اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی

تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا[طلوع اسلام]

اسلامی تہذیب کسی علاقے، نسل اور قوم سے نفرت اور دشمنی کی بنیاد پر باقی نہیں رہتی۔ یہ انسانیت کی عظمت کا وہ درس دیتی ہے جو علم و محبت کی بنیاد پر ایسا تحرک دیتی ہے کہ اس کی ترقی و عروج کا بے غرض اور بے لوث فکر اور عاجزی و خدمت کا ان تھک جذبہ صرف خالق حقیقی کی رضا اور اجر سے مشروط ہے۔ تو اقبال لکھتے ہیں:

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی

نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی[طلوع اسلام]

اقبال اسلامی بنیاد پر انسانیت کی تعمیر کو بیان کرنے کے بعد جدید تہذیب کی حقیقت جو آج ہم دیکھ رہے ہیں اپنی فکر میں یوں بیان کرتے ہیں:

ابھی تک آدمی صید زبون شہریاری ہے

قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر

یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندان مغرب کو

ہوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کارزاری ہے

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا

جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے[طلوع اسلام]

اقبال حقیقت شناس فلسفی ہیں جنہوں نے تہذیب حاضر کی حقیقت اور مقدر دونوں کو کھول کے رکھ دیا اور انسان کو اپنی تہذیب کی بقا کی کوشش کی طرف راغب کیا۔ اقبال نے امت مسلمہ کو فرقہ واریت سے بچنے کی تلقین کی مگر ابھی امت مسلمہ کو فرقہ واریت سے اتنی نفرت اور بیزاری محسوس نہیں ہو سکی جس کی ضرورت ہے۔اقبال فرماتے ہیں:

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہو گا

مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب [بال جبریل]

آگے لکھتے ہیں:

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا

ستارے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب [بال جبریل]

جو مسلمان طویل جدوجہد کرتے رہے خود کو یورپ کا حصہ بنانے کے لیے وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ لادینیت انسانیت کو خود غرضی کے ایسے بلاک میں بند کرتی ہے کہ وہ کوئی اتحاد بغیر ذاتی مفاد کے نہیں کرتی۔ لادینیت کو ہمہ وقت زوال کا خوف رہتا ہے اور مادی مفاد کو ہی اپنی بقا کے لیے ناگزیر گردانتی ہے۔ بے مذہبیت، بے روح تہذیب کو جنم دیتی ہے جس نے انسانیت پر حیوانیت کو غلبہ عطا کر دیا ہے۔[ii] بے روح تہذیب نے تعلیم، خاندان، شہریت، معاشرت، معیشت، کاروبار، امداد باہمی، اخلاق، تمدن، مرد و عورت اور شعور و فکر سب میں ہوس، خود غرضی، غلبہ پانے کی خواہشات پیدا کر دی ہیں۔[iii] لادینیت جو تہذیبی زوال لا سکتی تھی اقبال نے اس کی نشان دہی تفصیل سے کر دی تھی اور آج ہم اس کو کھلی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں:

مردہ، لادینی افکار سے افرنگ میں عشق

عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام [ضرب کلیم]

اقبال فرماتے ہیں:

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود

اسلام کا مقصود فقط ملت آدم [ضرب کلیم]

پھر لکھتے ہیں:

تری حریف ہے یارب سیاست افرنگ

مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس

بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے

بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس [ضرب کلیم]

ہوس مغرب کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:

جہان مغرب کے بت کدوں میں، کلیساوں میں، مدرسوں میں

ہوس کی خون ریزیاں چھپاتی ہے عقل عیار کی نمائش [ضرب کلیم]

اقبال جب جدید تہذیب حقیقت بیان کرتے تو عصری تہذیبی تنزلی کا نقشہ ان کے الفاظ میں جھلکنے لگتا:

ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جواں مرگ

شاید ہوں کلیسا کے یہودی متولی [ضرب کلیم]

عیار جدید طرز حکمرانی اور استیصالی نظام کے بارے میں اقبال نے لکھا:

شریک حکم غلاموں کو کر نہیں سکتے

خریدتے ہیں فقط ان کا جوہر ادراک [ضرب کلیم]

آج امن اور انسانیت کے تحفظ کے لیے مسلمان کو اقبال نے جو پیغام دیا ہے اس کا اب جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت اقبال نے تہذیب مغرب کو اصل تہذیب یا انسانی تہذیب کے لیے بڑے ضرر کے سوا کچھ نہیں سمجھا اور ان کا یقین تھا کہ اس فتنے اور خطرے سے بچانے کی صلاحیت بدرجہ اتم اسلامی تہذیب میں موجود ہے۔ اس لیے وہ مسلمانوں پر برسے، انہیں فروعی اور سطحی ذہنیت میں الجھنے سے روکا اور اسلام کی عالمگیریت پر اپنی توجہ اور صلاحیتیں مرکوز کرنے کا ہنر سکھانا چاہا۔ انہوں نے لکھا:

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو

شرر فشاں ہو گی آہ میری نفس میرا شعلہ بار ہو گا

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے اقبال کے موقف کی صحیح ترجمانی یوں کی ہے:
"بلبل کو خیر باد کہہ کر شاہین کی سیرت کو اردو اور فارسی شاعری میں پہلی مرتبہ فقر و خودداری، جرات و ہمت اور بلند پروازی کا نمونہ بنایا جائے، قوم کے جمود کو توڑا جائے اور اسے یہ تعلیم دی جائے کہ زندگی ذوق ارتقا ہے، حرکت مسلسل ہے، سوز نیم خام ہے، خوب تر کی تلاش ہے، جذبہ نشو و نما ہے، قناعت پسندوں اور تقدیر پرستوں کو یہ بتایا جائے کہ سعی پیہم سے جہان نو پیدا کرنا انسان کی تقدیر ہے"۔[iv]

یہ وہ پرواز فکر ہے اقبال کی جو ۱۹۰۸ میں انہیں حاصل تھی۔ اقبال نے عمل پیہم اور اخلاص کو انسانی تہذیب کی بقا اور ترقی کے لیے بنیادی ضرورت کے طور پر پیش کیا تھا۔ اسلامی تہذیبِ فکر کے ارتقا کا نام ہے نہ کہ فرسودگی کے تحفظ کا۔ یہ تھا اقبال کا بیانیہ اسلامی تہذیب کے بارے میں جسے وہ امت مسلمہ کو سمجھانا چاہتے تھے۔

یہاں تہذیب اور قومیت میں فرق کی جانب توجہ دینا بھی غیر متعلقہ محسوس نہیں ہوتا۔ ایس پی ہنٹنگٹن اپنی کتاب میں قومیت اور تہذیب کے فرق کو گڈ مڈ کر کے پیش کرتے ہیں۔ قومیتوں کی دنیاوی تقسیم کی بنا پر عصری تہذیبی تقسیم کا نقشہ پیش کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور پھر ان کے درمیان ممکنہ تصادم کا خیالی خاکہ بھی پیش کرتے ہیں[v]۔ ہنٹنگٹن اپنے وقت میں یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے رہے کہ لادینیت کی بنیاد پر ملٹی کلچرل ازم کے فروغ سے مستقبل میں دنیا میں امن قائم رہ سکتا ہے۔ یہاں اگر اقبال کے افکار کا حوالہ دیا جائے کہ انہوں نے دنیا کے مستقبل کے بارے میں کیا پیش گوئی کی تھی تو ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال کا موقف واضح تھا کہ جدید مغربی لادین تہذیب کا نہ صرف اپنا مستقبل تاریک ہے بلکہ یہ انسانیت کے لیے بھی زہر قاتل ہے۔[vi] اسلامی معلومات کو استعمال کرتے ہوئے اقبال نے ایک نظم تحریر کی "ابلیس کی مجلس شوریٰ"۔ اس میں آپ لکھتے ہیں کہ ابلیس کہتا ہے:

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد

یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مو

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے

جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو [ارمغان حجاز]

پھر اس نظم میں ابلیس کو بھی وہی خطرہ ہے جو ایس پی ہنٹنگٹن کو اپنی کتاب میں اسلام سے ہے[vii]:

جانتا ہے، جس پہ روشن باطن ایام ہے

مزدکیت فتنہ فردا نہیں، اسلام ہے [ارمغان حجاز]

اس نظم میں ابلیس نے اسلام کو کمزور کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا اس پر بعد میں خوب کام بھی ہوا:

ہے یہی بہتر الہیات میں الجھا رہے

یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

اقبال نے وطنیت اور قومیت کے مسائل کو امت مسلمہ کے مسائل نہیں سمجھا۔[viii] ان کے نزدیک مسلمان وطنیت اور قومیت کی خود غرض، استیصالی اور متعصب جدوجہد سے بالاتر ہو کر عمل پیہم میں مشغول رہتا ہے۔ مسلمان اخلاص اور صداقت کا مجسم شاہکار ہوتا ہے اور اس کی طاقت انسانیت ہے۔ اقبال مسلمان کے لیے جس عمل کو ناپسند کرتے ہیں وہ فریب، جھوٹ، بد عہدی اور ناانصافی ہے۔ حصول علم، تہذیب افکار اور تعمیر انسانیت کے لیے مسلمان کی جدوجہد ہی اس کی زندگی کا مقصد ہونا چاہیے:

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہ عمل بند

مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

جرات ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے

اے مرد خدا، ملک خدا تنگ نہیں ہے [ضرب کلیم]

عبد الجبار شاکر عصری تہذیبی فرضیے کے تناظر میں مطالعہ اقبال کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مغربی دانش وروں کو جلد یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ موجودہ صورت حال تہذیبوں کا تصادم نہیں بلکہ مفادات کا تصادم ہے۔ عالم اسلام کے مفکرین کو بھی اس حقیقت کو اور زیادہ واضح کرنا چاہیے کہ اللہ تعالی رب المشرقین بھی ہے اور رب المغربین بھی۔ عالمی تہذیب کا رنگ روپ الہامی پیغام سے تیار ہو گا اور یہ کارنامہ وہی انجام دے سکے گا جو Word of God اور Work of God کو ایک امتزاجی تناظر میں دیکھ سکے تاکہ ہم روشنی کی تہذیب کے بجائے تہذیب کی روشنی میں زندہ رہ سکیں۔"[ix]

---

[i] سلیم اختر، اقبال شناسی کے زاویے، مقالہ نگار: پرفیسر محمد عثمان، اقبال کا نظریہ ثقافت، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۵، ص ۱۳۹

[ii] میاں محمد افضل، اقبال اور عالمی سیاسیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۸، ص ۱۶۶

[iii] سلیم اختر، اقبال شناسی کے زاویے، مقالہ نگار: پرفیسر محمد عثمان، اقبال کا نظریہ ثقافت، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۵، ص ۱۳۵

[iv] خلیفہ عبد الحکیم، فکر اقبال، بزم اقبال، لاہور، ۲۰۰۵، ص ۸۵

[v] Huntington S P, The Clash of Civilizations, Touch Stone, New York, 1997, P 266

[vi] میرزا ادیب، مطالعہ اقبال کے چند پہلو، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۵، ص ۱۷۱

[vii] Huntington S P, The Clash of Civilizations, Touch Stone, New York, 1997, P 249

[viii] سید محمد اکرم اکرام، اقبال اور ملی تشخص، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۸، ص ۲۶۷

[ix] عبد الجبار شاکر، عالمی تہذیبی کشمکش اور علامہ اقبال، ماہنامہ دعوۃ، اسلام آباد، اپریل ۲۰۰۹